اور اس "رومی عصر" کے شاعرانہ خلوت کدہ سے باہر نکلیں۔

از خالد مسعود

(سابق مدیر معاون فکر و نظر، فیلو ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی)

## اسلامی معاشرے میں خلفشار نے کیسے راہ پائی؟

جناب ایڈیٹر صاحب فکر و نظر!

مجھے انہی دنوں ڈاکٹر طہٰ حسین مصری کی عربی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" کا اردو ترجمہ پڑھنے کا اتفاق ہوا، جس میں موصوف نے عثمانی خلافت میں پیدا ہونے والے فتنوں کا تاریخی تجزیہ کیا ہے، مجھے ڈاکٹر طہٰ حسین کے تمام نتائج سے تو اتفاق نہیں، لیکن موصوف کا یہ کہنا کہ خلافتِ راشدہ کے تسلسل کو توڑنے والی چیز دراصل وہ اجتماعی د زرعی نظام تھا، جو حضرت عثمان کے عہد میں رونما ہوا اور اس نے جاگیرداری کی شکل اختیار کی، بالکل ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں عراق میں بعض لوگوں نے بڑی بڑی جاگیریں خرید لی تھیں، جہاں مزارع اور ملازم کام کرتے تھے اور ان کی وجہ سے مالکوں کی آمدنیاں لاکھوں تک پہنچ گئی تھیں، موصوف کے نزدیک یہی وہ فتنہ ہے، جس سے اسلامی معاشرے میں سب سے پہلے خلفشار کے بیج پڑے، اور خلافت نے آگے چل کر ملوکیت کی شکل اختیار کی۔

میرے خیال میں اگر اسلامی معاشرے میں خلفشار کی ابتدا، اس معاشی واقعہ سے قرار دی جائے، تو بعد کے واقعات آسانی سے سمجھ میں آ سکتے ہیں، ورنہ تاریخ تو واقعات کا ایک ڈھیر ہو کر رہ جاتی ہے، اس ڈھیر میں سے ہر شخص کو حق پہنچتا ہے کہ جو واقعہ دل پسند ہو، اٹھا کر اس کی ایک ہزار تعبیریں کر ڈالے، جس میں سے ہر تعبیر VALID ہو گی۔ گویا تاریخی واقعات کے تسلسل اور بہاؤ کا باعث کوئی بنیادی عنصر نہیں ہے اور نہ تاریخ اپنے خارجی قوانین OBJECTIVE LAWS رکھتی ہے جو افراد کی ذاتی خواہشوں اور مطالبات سے آزاد رہتے ہوئے اپنا عمل کرتے ہیں۔

ہمارے ہاں اس کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے، یہاں پر کوئی بھی منظم اور منضبط فکر کا قائل نہیں ہے۔ آہستہ آہستہ میں اس بات کا قائل ہوتا جا رہا ہوں کہ جب تک قرآنی آیات کی ترتیبِ نزول پر زور نہیں دیا

جائے گا ملتِ مسلمہ میں سے فکری انتشار کبھی ختم نہیں ہو سکتا، یہ صرف ترتیبِ نزول ہی ہے جو ہر آیت کے تاریخی کیریکٹر کو متعین کرکے اس کی دس ہزار تعبیریں ہونے سے روک دیتی ہے۔ آیت کو تاریخی موطن CONTEXT میں رکھ کر ہم اس کی ایک ہی تعبیر کر سکتے ہیں، دو نہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچے ایک کھیل کھیلا کرتے ہیں، جس میں لکڑی کے کچھ ٹکڑے ہوتے ہیں، انہیں جوڑ کر دہ مکانات کے مختلف ڈیزائن بناتے ہیں۔ اس کھیل کو BUILDING CONSTRUCTION کہتے ہیں۔ اور اس سے MULTIFARIOUS ڈیزائن تیار ہو سکتے ہیں۔ آج کل قرآن کا بالکل یہی حال ہے۔ نزول کی تاریخی ترتیب سے ہٹی ہوئی آیات ایک ڈھیر کی مانند ہیں جس میں سے ہر شخص اپنے مطلب کا ڈیزائن تیار کر لیتا ہے اور پھر اس ڈیزائن کو آسمانی قرار دے کر مجتہد اور امام ہونے کا دعوٰے کر دیتا ہے، قرآن ان کے ہاتھوں میں بازیچۂ اطفال ہے جس کی آیات کا نہ کوئی تاریخی کیریکٹر متعین ہے اور نہ مفہوم۔ ہر شخص اُسے اپنا گڑھا ہوا مفہوم پہنانے اور اُس کا کیریکٹر متعین کرنے کے لئے آزاد ہے۔

اور اس پر مزید ظلم یہ ہے کہ اگر تاریخی ترتیب کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا جاتا تو کم از کم آیات کے داخلی مفہوم کو متعین کرکے ان کا ساتھ دیا جائے۔ ہر آیت اپنے اندر ایک اور صرف ایک ہی مفہوم رکھتی ہے اور اس سے کوئی نہ کوئی کائناتی یا معاشرتی قانون ہمارے سامنے آتا ہے۔ اگر ہم اپنے بنائے ہوئے مقاصد اور خواہشات کو الگ رکھ کر سائنٹیفک غیر جانب داری سے کام لیں تو بھی کسی بہتر نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور جو یقیناً آیت کے تاریخی مفہوم سے قریب تر ہوگا۔

اس سارے عمل میں محک کا کام ہماری خارجی معاشرتی زندگی دے گی جس پر اس آیت کے اخذ کردہ مفہوم کے اطلاق سے اس کی صحت کو جانچا جا سکتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ قرآن دانی کا دعوٰے کرنے والا کوئی بھی اس طرف دھیان نہیں دیتا، نتیجہ یہ ہے کہ پوری ملت کے اندر ایک فکری خلفشار بپا ہے، اور یہ خلفشار اس کے سیاسی اور معاشرتی زوال کا باعث بن رہا ہے۔

ذہنِ نبوت کی سب سے بڑی خصوصیت اُس کی سائنٹیفک غیر جانبداری ہوتی ہے یعنی نبی کا ذہنی عمل INDUCTIVE ہوتا ہے۔ وہ جزئی واقعات سے کلیات تک پہنچتا ہے، نہ کہ کلیات سے جزئی واقعات تک۔ ہر نبی بعثت سے پہلے ایک طویل عرصہ اپنے عہد کی حیاتِ معاشرہ کے مطالعہ میں گذارتا ہے، اور اس شدید ذہنی کاوش کے بعد اُس پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وحی الٰہی ذہنِ نبوت کا

QUALITATIVE CHANGE ہے۔

اور قرآن حکیم کے ہر طالب علم کو بھی اسی ذہنی عمل (PROCESS) سے گذرنا پڑتا ہے اگر وہ اس سے نہیں گذرے گا تو وہ مطالب قرآن کی بنیاد سے واقف نہیں ہو سکے گا۔ اور اسی بات کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

مگر میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ عہد کا کوئی قرآن دانی کا دعویٰ کرنے والا اس ذہنی عمل سے گذرنا تو کجا اس اصول سے ہی ناواقف ہے۔ آیاتِ قرآنی کی ساری OBJECTIVITY کا یہ لوگ ستیاناس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اور اس کی بجائے اُسے اپنا مفہوم پہنا دیتے ہیں۔

اب آپ غور فرمائیں کہ جب قرآن اور تاریخ اسلامی دونوں کے دونوں ایک واضح تاریخی کیریکٹر سے محروم ہو کر گورکھ دھندا JUMBLE بن جائیں تو بے چارے مسلمانوں کا کیا حشر ہو گا۔

قرآن چوں کہ حیات کی شدید انقلابی جدوجہد سے وجود پذیر ہوا ہے۔ لہٰذا اُس میں حیات کے دل کی دھڑکن سب سے زیادہ تیز ہے۔ حقیقی بھی ہے اور۔ تصنع سے پاک۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی APPROACH مابعد الطبیعاتی نہیں کیوں کہ اس کا مطمح نظر کائنات اور حیات کی محض تشریح کرنا نہیں بلکہ اُسے بدلنا ہے، اس لئے مابعد الطبیعاتی منطق جس فکری سکون کو پیدا کرتی ہے قرآن نے اس کی بجائے عمل اور انقلاب کی اپیل کو اپنایا ہے۔

یہ بات قطعاً غلط ہے کہ حقیقت اولیٰ کی نقاب کشائی صرف مابعد الطبیعاتی طریق تحقیق ہی کر سکتا ہے، بلکہ اگر ہم حقیقتِ اولیٰ کو تخلیق وارتقاء کا مصدر تسلیم کر لیں تو مذکورہ تحقیق کے طریق کی کامیابی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ یہ طریقِ تحقیق ایک ایسی ENTITY کے متعلق ہی ہیں معلومات بہم کر سکتا ہے۔ جو فکر محض ہو، جس طرح ہندو فلسفہ میں ہستی کو حق، فکر اور سکون سے تعبیر کیا جاتا ہے — میرے خیال میں قرآن حکیم نے ہستی مطلق کو 'حق' قرار دینے کے ساتھ اُسے فکر محض تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، اور فکر کو اُس کی ایک قدر ذاتی قرار دیتا ہے، لیکن یہ فکر ہمہ وقت اس کے تخلیقی عمل میں اپنے آپ کو TRANSLATE کرتا رہتا ہے، اس لئے سکون اپنے روایتی معنوں میں ہستی مطلق کی قدر ذاتی نہیں بن سکتا۔

الطاف جاوید
مارٹن روڈ، کراچی